ڈاکٹر بشیر حسین

احوال و آثار استاد سعید نفیسی

مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ شعراء و ادباء کے ہاں بڑے بڑے حکیم حاذق اور جیّد طبیب پیدا ہوئے اور اس کے برعکس اطباء و مہندسین کی اولاد میں شہرۂ آفاق ادیب اور شاعر ہوئے۔ ایران کے نامور معاصر ادیب استاد سعید نفیسی کا تعلق ایک ایسے ہی خاندان سے ہے اور ان کے اجداد سات آٹھ پشتوں تک برابر حکیم و طبیب چلے آئے تھے۔

آبا و اجداد

استاد سعید نفیسی کے مورث اعلیٰ کا نام برہان الدین نفیس بن عوض بن حکیم کرمانی تھا جو نویں صدی ہجری کا مشہور طبیب اور 'مشرح اسباب' (مؤلفہ ۸۲۷ھ)، 'شرح موجز القانون' (مؤلفہ ۸۴۱ھ) اور 'حواشی موجز القانون' ایسی معتبر و معتمد کتابوں کا مصنف ہے۔ برہان الدین کی اولاد میں سے ایک شخص میرزا سعید شریف طبیب کرمانی ہوا ہے جو شاہ عباس صفوی کا درباری حکیم اور سعید نفیسی کا آٹھواں جد امجد تھا۔ اگرچہ میرزا سعید شریف نے اپنی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ اصفہان میں بسر کیا لیکن آخری عمر میں وہ اپنے آبائی وطن کرمان چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔

میرزا سعید شریف کی اولاد میں سے جس شخص کو بہت شہرت نصیب ہوئی وہ سعید نفیسی کے والد بزرگوار، اپنے زمانے کے مشہور طبیب ڈاکٹر علی اکبر نفیسی، ناظم الاطباء تھے جو اگرچہ کرمان میں پیدا ہوئے لیکن اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی وجہ سے حکومت کی طرف سے تہران کے 'مدرسۂ دارالفنون' میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے منتخب ہوئے اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہیں کے ہو رہے۔ ۱۳۰۳ ہجری شمسی کو اسی شہر میں ان کا انتقال ہوا۔ میرزا علی اکبر ناظم الاطباء نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں۔ پہلی بیوی کی اولاد سے ڈاکٹر علی اصغر مؤدب الدولہ تھے جو بڑے مشہور ہوئے اور دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی۔ ان دونوں بیویوں کے فوت ہونے کے بعد ناظم الاطباء نے

میرزا حسن خاں نوری کی لڑکی جلیلہ خانم سے شادی کی جن کے بطن سے ۱۸ خورداد ماہ ۱۲۷۴ ھ ش مطابق ۸ جون ۱۸۹۶ عیسوی کو تہران میں سعید نفیسی پیدا ہوئے۔ ان کے والد نے یہ تاریخ قرآن کریم کے اس نسخے کی جلد کی پشت پر ضبط کی جسے وہ روزانہ صبح تلاوت کیا کرتے تھے۔ خود استاد نے اپنی یہ صحیح ترین تاریخ ولادت وہیں سے نقل کر کے ایک مقالے میں شائع کی ہے۔ یہ ناصرالدین شاہ قاچار کا زمانہ تھا اور سعید نفیسی کی ولادت کے وقت ان کے والد شاہی معالج کی حیثیت سے شاہ کے ساتھ کسی صحت افزا مقام پر گئے ہوئے تھے۔ اس فرزند سعید کی ولادت باسعادت کی خبر انھیں وہیں دی گئی۔ ناصرالدین شاہ کو علم ہوا تو اس نے نومولود کا نام ان کے آٹھویں دادا سعید شریف کرمانی کے نام پر "سعید" رکھا۔

تعلیم و تدریس

ملک میں تعلیم عام نہ تھی۔ ناظم الاطبا اور ان کے ایسے ساتھیوں نے جو علم کی دولت سے بہرہ ور تھے، ایک انجمن بنائی جس میں یہ طے ہوا کہ اس کا ہر رکن اپنی اپنی استطاعت و استعداد کے مطابق ایک اسکول یا ادارہ قائم کرے جہاں بچوں کو جدید انداز سے تعلیم دی جاسکے۔ ناظم الاطبا نے خیابان "چراغ گاز" میں (جسے آج کل خیابان امیر کبیر کہتے ہیں) "مدرسۂ شرف" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا جہاں پرائمری تعلیم کا انتظام تھا۔ اس مدرسے کو وہ آخری عمر تک چلاتے رہے۔ سعید نفیسی جب پانچ سال کے ہوئے تو ان کو بھی اسی مدرسے میں داخل کروایا گیا۔ یہاں تین سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھیں تہران ہی کی ایک اور درس گاہ "مدرسۂ علمیہ" بھیج دیا گیا جہاں ہائی اسکول کی کلاسیں ہوتی تھیں جب سعید نفیسی اس مدرسے کی تیسری جماعت پاس کر چکے تو انھیں ان کے بھائی ڈاکٹر حسن شرف کے ہمراہ بغرض تعلیم سوئزرلینڈ کے شہر "نوشاتل" بھیج دیا گیا۔ ایک سال وہاں رہنے کے بعد ان کے والد نے مناسب سمجھا کہ بچوں کو پیرس کے کسی اسکول میں داخل کروا دیا جائے۔ کئی سال تک پیرس میں رہنے سے نہ صرف فرانسیسی زبان پر انھیں ایک ملکہ حاصل ہوا بلکہ فرانسیسی ادبیات سے انھیں گہری دلچسپی اور دلی لگاؤ پیدا ہو گیا۔

دس سال تک وہاں کسب علم و فضل کرنے کے بعد جب وطن واپس آئے تو تہران کے

دو اہم ترین ہائی اسکولوں میں فرانسیسی زبان پڑھانے کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ اس زمانے کی ضروریات کے پیش نظر تہران میں تعلیم کا بہت رواج تھا اور سب پڑھے لکھے لوگ اپنے گھر پر بالغ مردوں و عورتوں کو درس دیتے تھے۔ چنانچہ سعید نفیسی نے بھی ایک عرصے تک ہزاروں بالغ حضرات کے سینوں کو نور تعلیم سے روشن کیا۔ سعید نفیسی کے بھائی اکبر مؤدب نے بھی اپنے گھر پر تعلیم بالغاں کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا اور ملک الشعراء بہار بھی ان کے درس سے مستفید ہوا کرتے تھے۔ ملک الشعراء بہار سے استاد سعید نفیسی پہلی بار وہیں آشنا ہوئے۔ اسلامی ممالک کے اعلیٰ و شائستہ خاندانوں کی روایت کے مطابق سعید نفیسی کے والد بزرگوار بھی طبیب ہونے کے باوصف اعلیٰ ادبی ذوق رکھتے تھے اور شہر کے ادباء و شعراء اکثر ان کی محفل میں آتے تھے۔ گھر میں اکثر علم و ادب کا چرچا رہتا۔ شہر کے علماء و شعراء سے میل جول اور علمی موضوعات پر تبادلۂ خیالات ہوتا۔ دراصل یہی علمی و ادبی ماحول تھا جس نے آگے چل کر سعید نفیسی کو یگانۂ روزگار ادیب، شہرۂ آفاق عالم اور سب سے بڑھ کر مایۂ ناز استاد بنا دیا۔

۱۲۹۷ ھ ش میں آقائے حسین علاء نے "وزارتِ فلاحت و تجارت" کی تشکیل کی اور اس کی طرف سے "مجلۂ فلاحت و تجارت" کے نام سے ایک رسالہ نشر کرنے کا عزم کیا۔ سعید نفیسی چونکہ "انجمن ادبی دانشکدۂ ادبیات" کی طرف سے پہلے بھی ایک مجلہ جس کے مدیر ملک الشعراء بہار تھے، نکالا کرتے تھے اس لیے سابقہ تجربہ رکھنے کی بنا پر حسین علاء نے اس نئے مجلے کی مدیریت ان کے سپرد کی۔ ان کا کام اس قدر پسند کیا گیا کہ جلد ہی انھیں "ادارۂ فلاحت و تجارت" کا صدر بنا دیا گیا۔ اس کے بعد وہ یکے بعد دیگرے وزارت تعلیم کے ماتحت بہت سے اداروں مثلاً "ادارۂ امتیازات، ادارۂ کارگزینی اور مدرسۂ عالی تجارت"، کی صدارت کے فرائض بکمال حسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ اس سارے عرصے میں وہ تہران کے مختلف مدرسوں میں باقاعدہ درس بھی دیتے رہے۔

آخر کار انتظامی کاموں سے ان کی طبیعت بیزاری کا احساس کرنے لگی اور انھوں نے دل میں فیصلہ کیا کہ وہ اپنی تمام تر مساعی کو صرف درس و تدریس کے دائرے میں محدود کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اس ارادے کو ڈاکٹر عیسیٰ صدیق کے سامنے جو ان دنوں وزارت تعلیم کے صدر تھے،

بیان کیا۔ انہی ایام میں وزارت خارجہ کے ماتحت "مدرسۂ علوم سیاسی" قائم ہوا تھا چنانچہ ڈاکٹر عیسیٰ صدیق کی مدد سے انھیں اس مدرسے میں تاریخ کا استاد بنا دیا گیا۔ اس کے علاوہ "مدرسۂ دارالفنون" میں تاریخ ادبیاتِ فارسی کی تدریس کا کام بھی ان کے سپرد ہوا۔ اس کے بعد جب تہران یونیورسٹی وجود میں آئی تو انھیں استاد ادبیات فارسی کی حیثیت سے وہاں لے لیا گیا۔ پہلے کچھ عرصہ وہ لاء کالج میں پڑھاتے رہے اور پھر "دانشکدۂ ادبیات" میں منتقل ہوئے۔ زندگی کے آخری ایام تک وہ اسی کالج میں بی۔ اے، ایم۔ اے اور ڈاکٹریٹ کے طلباء و طالبات کو تاریخ ایران، تاریخ ادبیات فارسی، تصوف اور تاریخ تصوف اسلام وغیرہ ایسے نہایت اہم موضوعات کی تعلیم دیتے رہے۔ استاد کے علمی و ادبی ذوق، درس و تدریس کے شوق اور اصلاح ملک و ملت کے جذبے نے ملک میں ڈاکٹر محمد معین، ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، ڈاکٹر حسین خطیبی، ڈاکٹر حسن منوچہر، ڈاکٹر صادق کیا، ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری، ڈاکٹر صادق گوہرین، ڈاکٹر عبدالرسول ضیا مجید ڈاکٹر نوابی اور ڈاکٹر رجائی ایسی بیسیوں بلکہ سینکڑوں مشعلیں روشن کی ہیں۔ ان سب اساتذہ کو جو آج بذاتِ خود مشہور علمی و ادبی شخصیتیں ہیں، استاد نفیسی کی شاگردی پر بجا طور پر فخر و ناز ہے۔

دانشکدۂ ادبیات میں استاد کی حیثیت سے انھیں اس قدر مقبولیت نصیب ہوئی کہ بیرونی ملکوں میں منعقد ہونے والی مختلف قسم کی کانفرنسوں میں جب بھی ایرانی علماء کا وفد بھیجا جاتا سعید نفیسی کا نام سرفہرست ہوتا، چنانچہ اپنی زندگی میں انھوں نے حکومت کی طرف سے نو بار روس، متعدد بار افغانستان، تین مرتبہ پاکستان، دو مرتبہ ہندوستان کے علاوہ مصر، لبنان، اٹلی، سوئزرلینڈ، جرمنی چیکوسلواکیہ، ہنگری، بلغاریا، ہالینڈ، فرانس، انگلستان اور امریکہ کی متعدد ریاستوں کا سفر کیا۔ وہ صحیح معنوں میں جہاندیدہ تھے اور ان مسافرتوں سے انھیں جو پختگی اور وسعت نظر نصیب ہوئی وہ ان کی تحریروں و تقریروں سے پوری طرح نمایاں ہوتی تھی۔

عادات و خصائل

استاد سعید نفیسی نہایت متواضع، حلیم الطبع اور بردبار قسم کے انسان تھے۔ معمولی سے معمولی آدمی گھر ہو یا دانشگاہ، دفتر ہو یا سرراہ، بغیر کسی حجاب و تکلف کے استاد سے ہم کلام ہو کر جو چاہتا دریافت کر لیتا اور استاد ایسے اشخاص سے بات کرنے کو اپنے لیے ہرگز کسر شان نہ سمجھتے تھے۔

اس حد تک انسان دوست کہ اگر کوئی ایک دفعہ ان سے کسی سلسلے میں مل لے تو دوبارہ وہ اس طرح ملتے جیسے کسی عزیز یا رشتہ دار سے مل رہے ہیں۔ دسمبر ۱۹۵۷ء میں مجھے ان سے پہلی بار ملاقات کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب وہ لاہور میں منعقدہ اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔ یونیورسٹی کی طرف سے میں دس بارہ روز ان کے ساتھ رہا۔ اگست ۱۹۶۰ء میں جب میں تہران گیا اور وہاں دانشکدۂ ادبیات ہی میں ان سے ملاقات ہوئی تو چند قدم دور ہی سے دیکھ کر مسکرائے اور کہا "خیلی خوش آمدی آقائے بشیر حسین" اور کچھ اس طرح شفقت سے ملے اور خوش ہوئے جیسے کوئی اپنے عزیزوں سے مل کر خوش ہوتا ہے۔ حالانکہ مجھے قطعاً یہ امید نہ تھی کہ انھیں میرا نام یاد ہوگا اور وہ مجھے پہچان بھی لیں گے۔

وضعداری کا یہ عالم کہ ایک بار جس سے دوستانہ مراسم یا واقفیت ہو جائے پھر ہمیشہ کے لیے اس کا لحاظ رکھتے اور ہر طرح سے مدد کو تیار رہتے۔

حاجت مند کی حاجت روائی میں ان کی مثال آج کے ایران میں بہت کم ملتی ہے۔ علمی مشکل ہو یا اقتصادی، جس نے جو کام استاد سے کہا "خیلی خوب" کے سوا جواب نہ سنا۔ اکثر لوگوں کی سفارشیں کرتے رہتے کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ استاد کا کہا ہوا کوئی رد نہیں کرتا۔ بے لوث خدمت کا جذبہ انھیں اپنے اجداد سے ورثے میں ملا تھا۔

استاد بالکل بے ضرر قسم کے انسان تھے۔ کبھی بھول کر بھی انھوں نے کسی کی دل آزاری نہیں کی کیونکہ بقول حافظ ؎

مباش در پی آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در طریقتِ ما غیر ازیں گناہی نیست

وہ اسے بہت بڑا گناہ تصور کرتے تھے۔

ان کی ایک بہت بڑی صفت جو علمی و ادبی شخصیتوں میں بہت کم دیکھی جاتی ہے، اپنی کتاب امانت دینا تھا۔ کتابیں مخصوصاً قلمی نسخے کتنی مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود جب بھی کوئی ان سے کتاب مستعار لینے کی درخواست کرتا تو بلا تامل اس کے حوالے کر دیتے۔

ہر وقت کسی نہ کسی علمی کام میں لگے رہنا استاد سعید نفیسی کی عادت تھی۔ دن میں جب تک

چند گھنٹے مطالعہ نہ کرلیں، طلبا کو درس نہ دے لیں یا کسی سے علمی گفتگو میں محو نہ ہوں، یا چند صفحے نہ لکھ لیں، انھیں چین نہ آتا تھا۔ رات کو بلا ناغہ کم از کم دو تین گھنٹے مطالعہ کرکے سونا ان کا ہمیشہ سے معمول تھا۔ فرمایا کرتے تھے جب تک میں سونے سے پہلے کچھ مطالعہ نہ کرلوں مجھے نیند نہیں آتی۔ زندگی کے ایک ایک لمحہ سے وہ پورا فائدہ اٹھاتے اور کبھی ایک منٹ بھی ضائع نہ ہونے دیتے۔ کام کی لگن میں وہ اپنے آرام کی بھی پروا نہیں کرتے تھے اور اکثر اپنے آرام اور سیر و تفریح کی قربانی دے کر علمی و ادبی کاموں کو سرانجام دیتے تھے۔ ہمیشہ کام سے شغف اور بے کاری سے بیزاری ان کی عادت تھی۔ بستر مرگ پر بھی مطالعہ جاری رکھا چنانچہ آخری علالت کی حالت میں انھیں ہسپتال لے جایا گیا، وہاں ایک دو روز کے علاج سے ذرا طبیعت سنبھلی تو گھر سے ایک کتاب لانے کا حکم دیا کہ اس کے آخری چند صفحے مطالعہ کرلوں، اس سے بے خبر کہ میری زندگی کی کتاب کے صرف چند ہی صفحات باقی ہیں۔ حضور سرور کائنات صلعم کی حدیث اطلبوا العلم من المھد الی اللحد پر استاد نے پوری طرح عمل کرکے دکھا دیا۔ بقول شاعر:

گود سے گور تک علم کا طالب رہنا

استاد اپنے علم و فضل، وسعت معلومات اور ذکاوت و ذہانت کے بل بوتے پر ہر کام بڑی تیزی سے اور بہت تھوڑے وقت میں کر لیتے تھے۔ جس تحریر کے لکھنے اور جس تقریر کے تیار کرنے میں دوسروں کو دن لگیں استاد انھیں گھنٹوں میں حیطۂ تحریر و تقریر میں لے آتے تھے۔ بات بھی تیزی سے کرتے تھے۔ اس طرح وہ سریع القلم و الزبان کی حیثیت سے مشہور تھے۔ ہر کام میں سرعت ان کی پوری زندگی میں نمایاں تھی۔ درگذر جسے ایران میں "گذشت" کے لفظ سے بیان کیا جاتا ہے ان کی محمودہ صفات میں سے تھی۔ حقیقی اولاد سے کوئی قصور ہو یا معنوی اولاد سے کوئی کوتاہی، استاد ہمیشہ درگذر ہی فرماتے۔ تہران میں قیام کے دوران ہم اکثر ان کے در دولت پر حاضر ہوتے۔ گفتگو کے درمیان اگر کبھی بچوں کا ذکر آتا تو فرماتے:

"من این بچہ ہا را آزاد می گذارم و اشتباہات اینہا را اغلب نادیدہ می گیرم۔"

یہ تو وہ اپنے لڑکے لڑکی کے متعلق فرمایا کرتے تھے لیکن اپنی معنوی اولاد کے بارے میں بھی ان کا یہی رویہ ہوتا تھا۔ کوئی خلاف طبع بات ہوئی تو اسے اس طرح ضبط کر لیتے کہ مخاطب کو ذرہ برابر احساس

نہ ہوناکہ استاد کی طبع پر یہ بات ناگوار گذری ہے۔ یوں تو پوری ایرانی قوم کا ہر شائستہ فرد اس میں ماہر ہے لیکن اس طرح کے ضبط میں جو ملکہ استاد کو حاصل تھا وہ صرف انہی سے مخصوص تھا۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ "والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس" کی بہت عمدہ مثال تھے۔

وسعت معلومات ومطالعہ کا یہ عالم کہ کسی قسم کا علمی وادبی سوال ہو استاد اس کا تسلی بخش جواب فی الفور دے دیتے۔ تہران میں سب بڑے اساتذہ کا معمول ہے کہ ہفتے میں ایک دن ملاقات کے لیے مخصوص کر دیتے ہیں۔ اُس روز بغیر وقت لیے لوگ اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مشکلات کے حل پوچھتے ہیں۔ استاد کے ہاں بھی ملاقاتوں کا ایک دن معین تھا۔ صبح سات ساڑھے سات سے لے کر بارہ ساڑھے بارہ تک برابر لوگ آتے رہتے اور اپنی مشکلات حل کرتے۔ استاد کا دماغ اس حد تک مستحضر، دل اس حد تک وسیع، سینہ اس حد تک بردبار کہ بلا تأمل سب سوالوں کا جواب دیتے۔ خواہ کتنے ہی سوال ہوں استاد ہرگز نہ گھبراتے۔ بعض سوالات اہم اور معقول اور بعض غیر اہم بھی ہوتے لیکن کیا مجال جو استاد کے ماتھے پر شکن یا گفتگو میں تلخی کا احساس ہو۔

سادگی

لباس میں، غذا میں، رہائش میں، وہ سادگی کو ترجیح دیتے تھے۔ تجمل وخود نمائی سے ان کی طبیعت کوسوں دور تھی۔

وفات

علم وادب کی یہ شمع جو نہ صرف ایرانی بلکہ بیرونی ممالک کے جوانوں کے قلوب واذہان کو اپنی زلیست کی سحر تک برابر روشنی بخشتی رہی آخر ۲۲ آبان ماہ ۱۳۴۵ھ ش مطابق غرہ شعبان ۱۳۸۶ھ ق/ دسمبر ۱۹۶۶ء کی صبح کو ہمیشہ کے لیے گل ہو گئی۔ ان کا انتقال تہران ہی میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے بہت سے شعراء اور عقیدت مندوں نے مرثیے اور قطعات تاریخ کہے۔ اختصار کے پیش نظر یہاں صرف استاد جلال ہمائی کا مندرجۂ ذیل قطعہ نقل کیا جاتا ہے:

چو شد سعید نفیسی بروں ز دار حیات
ز جمع اہل ادب سرور رئیسی رفت ا
سنا لبسال وفاتش نوشت "ای بیداد

زگنج علم و ادب گوہر نفیسی رفت"
۱۳۸۶

آثارِ نفیسی

استاد سعید نفیسی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ تقریباً ایک سو پچاس کتابوں کے مصنف و مؤلف و مصحح ہیں۔ ذیل میں ان کی معروف و اہم کتابوں کے نام موضوع وار درج کیے جاتے ہیں:

تحقیقی کتابیں

۱ - احوال و منتخب اشعار خواجوی کرمان، تہران ۱۳۰۷ شمسی

۲ - احوال و اشعار رودکی (تین جلد) تہران ۱۳۰۹ - ۱۳۱۹ ھ ش

۳ - نظامی در اروپا، تہران ۱۳۱۴ ھ ش

۴ - مجدالدین ہمگر شیرازی تہران ۱۳۱۴ ھ ش

۵ - آثار گمشدۂ ابوالفضل بیہقی، تہران ۱۳۱۵ ھ ش

۶ - احوال و اشعار فارسی شیخ بہائی، تہران ۱۳۱۷ ھ ش

۷ - سخنان سعدی دربارۂ خودش، تہران ۱۳۱۶ ھ ش

۸ - جستجو در احوال و اشعار فریدالدین عطار، تہران ۱۳۲۰ ھ ش

۹ - در پیرامون احوال و اشعار حافظ، تہران ۱۳۲۱ ھ ش

۱۰ - شاہکارہای نثر فارسی معاصر (دو جلد) تہران ۱۳۳۰ - ۱۳۳۲

۱۱ - روزگار ابن سینا، تہران ۱۳۳۱ ھ ش

۱۲ - سرگذشت ابن سینا بقلم خود او، تہران ۱۳۳۲ ھ

۱۳ - زندگی و کار و اندیشہ و روزگار پور سینا، تہران ۱۳۳۳

۱۴ - ابن سینا در اروپا، تہران ۱۳۳۳ ھ ش

۱۵ - تاریخ نظم و نثر ایران و زبان فارسی، تہران ۱۳۳۴ (دو جلد)

۱۶ - در مکتب استاد، تہران ۱۳۴۴

۱۷ - سرچشمۂ تصوف، تہران ۱۳۴۵ ھ

تاریخ ایران

شیخ زاہد گیلانی، رشت ۱۳۰۷

یزد گرد سوم، تہران ۱۳۱۲

مدرسۂ نظامیۂ بغداد، تہران ۱۳۱۳

پیشرفتہائے ایران در دورۂ پہلوی، تہران ۱۳۱۸

تاریخ عمومی قرون معاصر، تہران ۱۳۲۴

درفش ایران در شیر و خورشید، تہران ۱۳۲۸

خاندان سعد الدین حمویہ، تہران ۱۳۲۶

تاریخ بیمارستانہائے ایران، تہران ۱۳۲۹

تاریخ تمدن ایران ساسانی، تہران ۱۳۳۱ - ۴۴

بابک خرم دین، دلاور آذر بایجان، تہران ۱۳۳۳ھ

بحرین حقوق ۲۰۰ ساله ایران، تہران ۱۳۳۳

خاندان طاہریان، تہران ۱۳۳۵ھ

تاریخ اجتماعی و سیاسی ایران در دورۂ معاصر، تہران ۱۳۳۵ - ۱۳۴۴ (دو جلد)

درپیرامون تاریخ بیہقی، تہران ۱۳۴۲ھ (دو جلد)

تاریخ اجتماعی ایران از انقراض ساسانیان تا انقراض امویان، تہران ۱۳۴۲

تاریخ اجتماعی ایران در دوران پیش از تاریخ و آغاز تاریخ، تہران ۱۳۴۲

مسیحیت در ایران، تہران ۱۳۴۳ھ

تاریخ شہریاری رضا شاہ پہلوی، تہران ۱۳۴۴ھ

تصحیح متون فارسی

رباعیات حکیم عمر خیام، تہران ۱۳۰۶ھ ش

دو تقریر از خواجہ امام عمر خیام (در مجلۂ مشرق) تہران ۱۳۰۹

شاہنامہ جلد اول، چاپ خاور، تہران ۱۳۱۰ھ ش

رباعیات بابا افضل کاشانی، تهران ۱۳۱۱ھ ش
پندنامهٔ انوشیروان از بدایعی بلخی تهران، ۱۳۱۲ھ
نصیحت نامه (قابوس نامه)، تهران ۱۳۱۲ھ ش
شاهنامه جلد ۷ - ۱۰، تهران ۱۳۱۴ھ ش
سیر العباد الی المعاد از سنائی غزنوی، تهران ۱۳۱۶ھ ش
سامنامهٔ خواجوی کرمانی ج ۱، تهران ۱۳۱۶ھ ش
دستور الوزراء از خواندمیر، تهران ۱۳۱۷ھ ش
تاریخ گیتی گشا از میرزا محمد صادق موسوی، تهران ۱۳۱۷ھ ش
دیوان مقطعات و رباعیات ابن یمین، تهران ۱۳۱۸ھ ش
دیوان عطار تهران ۱۳۱۹ھ ش
دیوان لامعی گرگانی، تهران ۱۳۱۹ھ ش
تاریخ مسعودی معروف به تاریخ بیهقی (۳ جلد) ۱۳۱۹ - ۱۳۳۲ھ ش
دیوان معین الدین جنید شیرازی، تهران ۱۳۲۰ھ ش
منتخب قابوس نامه، تهران ۱۳۲۰ھ ش
رسالهٔ مجدیه از مجد الملک سینکی، تهران ۱۳۲۱ھ
رساله در احوال جلال الدین مولوی از فریدون بن احمد سپه سالار، تهران ۱۳۲۵ھ ش
مواهب الٰہی (در تاریخ آل مظفر) از معین الدین یزدی، ج اول، تهران ۱۳۲۶ھ ش
گشایش و رهائش از ناصر خسرو، بمبئی ۱۳۲۸ھ
رساله صاحبیه (در فرهنگ ایران زمین)، تهران ۱۳۳۲ھ
رساله روحی انارجانی (در فرهنگ ایران زمین)، تهران ۱۳۳۲ھ
زین الاخبار از ابوسعید گردیزی (شامل تاریخ ساسانیان تا پایان دورهٔ صفاری)، تهران ۱۳۳۳ھ
مقامات عبد الخالق غجدوانی (در فرهنگ ایران زمین)، تهران ۱۳۳۳ھ ش
سخنان منظوم ابوسعید، تهران ۱۳۳۶ھ

دیوان عسجدی، تہران ۱۳۳۴ھ ش

کلیات عراقی، تہران ۱۳۳۵ھ ش

تذکرہ لباب الالباب عوفی، تہران ۱۳۳۵ھ ش

دیوان ازرقی ہروی، تہران ۱۳۳۶ھ ش

دیوان انوری، تہران ۱۳۳۷ھ ش

دیوان قاسم انوار، تہران ۱۳۳۷ھ ش

دیوان ہلالی جغتائی، تہران ۱۳۳۷ھ ش

دیوان قصائد و غزلیات نظامی، تہران ۱۳۳۸ھ ش

دیوان رشید وطواط، تہران ۱۳۳۹ھ ش

دیوان عمعق بخارائی، تہران ۱۳۳۹ھ ش

فتوحات نامۂ ناصری (در فرہنگ ایران زمین) تہران ۱۳۳۹ھ ش

گلستان سعدی، تہران ۱۳۴۰ھ ش

دیوان اوحدی مراغہ ای، تہران ۱۳۴۰ھ ش

دیوان عشقی میرزادہ

دیوان سعید نفیسی، تہران

کتب لغت

فرہنگ فرانسہ بفارسی، تہران ۱۳۰۹ - ۱۳۱۰ (دو جلد)

فرہنگ نفیسی (فرنودسار ۵ جلد قطور) تالیف علی اکبر ناظم الاطباء، تہران ۱۳۱۸ - ۱۳۳۹ھ ش

فرہنگ نامۂ پارسی، ج اول تہران ۱۳۱۹ھ ش

فرہنگ فارسی جیبی، تہران ۱۳۴۳ھ ش

فہارس

فہرست مخطوطات در کتاب خانۂ مجلس شورای ملی (ج ششم) تہران ۱۳۴۴ھ ش

فہرست آثار آردپائی دربارۂ ابن سینا (ترجمہ) تہران ۱۹۵۳ میلادی

ناول، افسانہ و ڈرامہ

آخرین یادگار نادرشاہ (نمایشنامہ) تہران ۱۳۰۵ھ ش

فرنگیس (ناول) تہران ۱۳۱۰ھ ش

ستارگان سیاہ (افسانوں کا مجموعہ) تہران ۱۳۱۷ھ ش

ماہ نخشب (افسانوں کا مجموعہ) تہران ۱۳۲۸ھ ش

نیمہ راہ بہشت (ناول) تہران ۱۳۳۲ھ ش

آتش ہای نہفتہ (حسابہا درست درنیامد) ناول تہران ۱۳۳۹ھ ش

دستور و انشاء

قرأت فارسی و دستور زبان۔ تہران ۔۔۔۔

انشاء و نامہ نگاری، چاپ دوم تہران ۱۳۳۹ھ ش

تراجم

معالجۂ تازہ برای حفظ دندانہائے طبیعی اثر گرگوریاں، تہران ۱۲۹۰ھ

صنعت تخم نوغان ایران تالیف رابینو، تہران ۱۲۹۸ھ

بہ یاد ماکسیم گورکی، تہران ۱۳۱۵ھ ش

نمونہ از آثار پوشکین، تہران ۱۳۱۵ھ ش

تاریخ ترکیہ اثر لاموش، تہران ۱۳۱۶ھ ش

یاد بود گرلیف، تہران ۱۳۲۳ھ ش

افسانہ ہای گرلیف، تہران ۱۳۲۳ھ ش

پوشکین تہران ۱۳۲۵ھ ش

نایب چاپارخانہ، اثر پوشکین، تہران ۱۳۲۶ھ ش

سرانجام آلمان، تہران ۱۳۲۶ھ ش

عشق چگونہ زایل شد با چند داستان دیگر، اثر لئون تالستوی، تہران ۱۳۲۱ھ

ایلیاد اثر ہومر، تہران ۱۳۳۴ھ ش

آدام متیکیہ ویچ، تہران ۱۳۳۴ھ ش

پل و ویرژینی اثر برناردون دوسن پیر، تہران ۱۳۳۵ھ ش

زندگی و کار دو شہر مارکسیم گورکی با چند داستان، تہران ۱۳۳۵ھ ش

آرزو ہای بر باد رفتہ اثر بالزاک، تہران ۱۳۳۷ھ ش

اولیہ اثر ہومر، تہران ۱۳۳۷ھ ش

ابن خلدون و تیمور لنگ از والٹر فیشل (توشیبن نفیسی کی مدد سے) تہران ۱۳۳۵ھ ش

تاریخ ادبیات روسی، ج ۱، تہران ۱۳۴۴ھ ش

جشن نامۂ ابن سینا، تہران ۱۹۵۳ عیسوی

آثار دیگر

ہدیۂ دوستانہ، تہران ۱۳۰۴ھ ش

ہفتاد سال زندگی پنجاہ سال خدمت بدانش (زندگانی عبدالعظیم قریب)، تہران ۱۳۲۶ھ

مدیریت مجلات

مجلۂ فلاحت و تجارت (تین سال) ۱۲۹۷-۱۲۹۹ھ ش

امید (روزنامہ) سات شمارے ۱۳۰۲ھ ش

شرق (مجلۂ ماہانہ) بارہ شمارے ۱۳۰۹-۱۳۱۰ھ ش

پیام نو (مجلہ) سال اول ۱۳۲۳ھ ش

ان مجلات کی ادارت میں وہ بڑے کامیاب رہے۔

اس کے علاوہ وہ لاتعداد تحقیقی مقالات کے مصنف ہیں جو ۱۲۹۰ھ ش سے لے کر ۱۳۴۴ تک ملک کے اہم مجلوں اور اخباروں میں برابر شائع ہوتے رہے۔ اگر ان کی تدوین ہو جائے تو کم از کم دس جلدوں میں پھیلیں گے۔

مندرجہ بالا اعداد و شمار کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے چالیس برس میں ایک سال بھی ایسا نہیں گذرا جس میں ان کی کوئی نہ کوئی کتاب شائع نہ ہوئی ہو بلکہ ہر سال تین چار کتابیں معاشرے کو پیش کرنا ان کا زندگی بھر کا معمول رہا ہے۔

تبصرہ

استاد عالی مقام کے آثار پر تبصرہ کرتے وقت جو چیز سب سے پہلے اور زیادہ آدمی کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرتی ہے اور جسے دیکھ کر آدمی پر گویا ایک تحسین آمیز اور مسحور و مرعوب کن حیرانی کی کیفیت طاری ہوتی ہے وہ ان کی وسعت اور تنوع معلومات ہے۔ ظاہر ہے کہ جس قدر ایک شخص کی معلومات وسیع و متنوع ہوں گی اسی قدر اس کے کام کا میدان وسیع و متنوع ہو گا۔ آثار پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ نہ صرف وہ تعداد میں غیر معمولی طور پر زیادہ ہیں بلکہ موضوع کے اعتبار سے ان میں کتنا تنوع ہے۔ فارسی ادب کا شاید ہی کوئی موضوع ایسا رہا ہو جس پر انھوں نے قلم نہ اٹھایا ہو اور جس کے بارے میں لب کشائی نہ کی ہو۔ تصوف ہو یا ادب، لغت ہو کہ گرامر، انشا و املا ہو یا صحافت، تصحیح نثر ہو کہ نظم، تذکرہ ہو یا تاریخ، ناول و افسانہ ہو یا ڈرامہ، فہرست سازی ہو یا ترجمہ، نثر نگاری ہو یا شعر گوئی، تحقیق ہو یا تخلیق غرض کوئی موضوع اور میدان ایسا نہیں جس میں کام کر کے انھوں نے کتابوں کا انبار نہ لگا دیا ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ ایک لغت نویس، ادیب، صحافی، شاعر، مؤرخ، محقق، اور مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ عالم تصوف، ماہر صرف و نحو، افسانہ و ناول نویس، سوانح نگار، فہرست ساز اور مترجم بھی تھے۔

دوسری چیز جو ان کے تحقیقی و تخلیقی کام کی سب سے نمایاں اور اہم خصوصیت معلوم ہوتی ہے وہ ان کا فارسی نظم و نثر میں خلاؤں کو پُر کرنے کا رجحان ہے۔ استاد نے زندگی بھر اس بات پر کڑی نظر رکھی کہ فارسی نظم و نثر کی تاریخ میں جہاں جہاں خلا رہیں اُسے حتی الامکان پُر کیا جائے، چنانچہ آثار گمشدۂ ابوالفضل بیہقی، پند نامۂ انوشیروان از بدایعی بلخی، دو تقریر از عمر خیام، رسالہ مجدیہ از مجد الملک سینکی، رسالہ روحی انارجانی، دیوان لامعی گرگانی، دیوان جنید شیرازی، دیوان ازرقی ہروی، دیوان عمعق بخارائی، وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو اپنے اپنے زمانے کے ادبی خلاء کو بقدر امکان پورا کرتی ہیں۔

نثر نگاری میں استاد کا اسلوب سبک عراقی و ہندی کے ان تمام عیوب سے یکسر پاک ہے جنھیں بے ضرورت سجع و قافیہ بندی، مشکل پسندی اور مغلق و مبہم نویسی وغیرہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن پر نہ صرف فارسی نثر کی بدنامی بلکہ تنزل کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ معاصر ایرانی علماء و ادباء نے اس راز کو اچھی طرح جان لیا تھا کہ اگر ہم نے سبک ہندی کی پیروی کی تو فارسی زبان کے مزید تنزل کی

ذمہ داری ہم پر ہوگی لہذا انھوں نے متفقہ طور پر تعہد کیا کہ آیندہ وہ سادہ اور سلیس نویسی کو رواج دیں گے اور وہ دوبارہ اسی سبک و طرز خراسانی میں لکھیں گے جس نے فارسی زبان کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا تھا۔ اسی بنا پر اس دور کو ہم نثر یا نظم "دورۂ بازگشت" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اسی روش مستحسن کی استاد سعید نفیسی نے بھی زندگی بھر پیروی کی اور جو کچھ لکھا وہ سادہ اور سلیس انداز میں تحریر کیا۔

صرف یہی نہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نثر نگاری میں استاد نے بمصداق "خیرالامور من اوسطہا" ایک بین بین اور اعتدال کی راہ نکالی۔ نہ تو ان کی تحریریں علامہ قزوینی کی طرح موٹے موٹے عربی کلمات سے پُر ہیں اور نہ ان میں متجددین کی طرح یورپ کی زبانوں کے الفاظ کی بھرمار ہے اور نہ طول کلام کی خاطر بے جا تکرار، سلیس مگر پختہ انداز جسے ایک درمیانہ درجے کی قابلیت کا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

استاد نفیسی کی نثر میں ہمیں ایک اور قابل قدر بات یہ بھی نظر آتی ہے کہ وہ ہمعصر لکھنے والوں کی اندھا دھند تقلید نہیں کرتے بلکہ ایسے کلمات جو غلط رائج ہوئے۔ استاد ان کو استعمال نہیں کرتے تھے یعنی کلمات کے استعمال میں استاد کی نظر برابر اس بات پر لگی رہتی تھی کہ جو الفاظ وہ استعمال کریں وہ اپنے صحیح مفہوم میں استعمال ہوں خواہ عوام انھیں مختلف معنوں ہی میں کیوں نہ استعمال کرتے ہوں مثلاً پچھلے کئی سالوں سے ایران میں یہ رسم سی ہو چلی ہے کہ جب کوئی آدمی کسی افسر کی خدمت میں عرضی دیتا ہے تو اسے "محترماً معروض میدارد" کے کلمات سے شروع کرتا ہے لیکن استاد اکثر محافل میں اس کی حقیقت کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ "محترماً" دراصل انگریزی جملے "I have the honour to" کا ترجمہ ہے جسے عرضی میں نہیں لکھا جا سکتا بلکہ اس کی بجائے "احتراماً" لکھنا چاہیے جس کا مطلب ہوگا humbly submitted۔ یہ اور اس قسم کے بے شمار دوسرے الفاظ جن کے صحیح مفہوم پر استاد کی نظر رہتی اور وہ ہمیشہ صحیح مفہوم والے الفاظ اپنی تحریروں میں استعمال کرتے۔ یہ اور اس قسم کی دوسری خوبیوں کی بنا پر ان کا شمار ایک صاحب سبک اور صاحب طرز لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ استاد کو کلمات و تراکیب پر اس حد تک قدرت حاصل تھی کہ وہ انھیں بے تامل اور بڑی سرعت کے ساتھ استعمال کرتے جاتے تھے جس کا نتیجہ یہ کہ استاد پورے ایران میں ایک سریع اور تیز لکھنے والے کی حیثیت سے مشہور تھے۔ کوئی تقریظ ہو یا تقریر، مضمون ہو یا دیباچہ استاد ایک بار قلم لے کر بیٹھتے تو اسے ختم کر کے اٹھتے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا استاد نفیسی نے زبان و ادبیاتِ فارسی کے مختلف میدانوں میں کام کیا ہے لہذا ان کا شاہکار اثر کوئی ایک نہیں ہو سکتا بلکہ ہر میدان میں انھوں نے زندۂ جاوید آثار باقی چھوڑے ہیں مثلاً لغتوں میں "فرہنگ نفیسی فرنودسار" (گو یہ فرہنگ ان کے باپ علی اکبر ناظم الاطباء کی تالیف ہے لیکن وہ اس کے پایۂ تکمیل کو پہنچنے سے پہلے فوت ہو گئے تو اس کی ترتیب و تنظیم کے بعد اسے طباعت و اشاعت کی منزلوں سے گذارنا استاد نے اپنا فرض سمجھا اور جس کامیابی سے انھوں نے یہ فرض ادا کیا وہ انھی کا حصہ ہے)۔ سوانح نگاری میں 'احوال و اشعار رودکی' ان کی بہترین کتاب ہے۔ تصحیح شعر میں دیوان رودکی کے علاوہ 'دیوان انوری'، 'کلیاتِ عراقی' اور 'دیوان قصائد غزلیات نظامی' ایسی کتابیں اپنی مثال آپ ہیں۔ تصحیح و تحشیۂ نثر میں ان کا سب سے اعلیٰ وارفع کام "تاریخ بیہقی" پر ہے خاص طور پر تاریخ بیہقی پر حواشی جنھیں انھوں نے "در پیرامون تاریخ بیہقی" کے نام سے شائع کیا بے نظیر ہیں اور ان میں استاد نے حاشیہ نگاری کا حق ادا کیا ہے۔ تاریخ نویسی میں تاریخ تمدن ایران ساسانی، تاریخ اجتماعی ایران اور تاریخ شہریاری رضا شاہ پہلوی ایسی کتابیں ان کے گرانبہا آثار ہیں۔ فہرست سازی میں "فہرست مخطوطات در کتابخانۂ مجلس شورای ملی، اپنی مثال آپ ہے۔ ناولوں میں "نیمہ راہ بہشت" اور افسانوں میں "ماہ نخشب" (افسانوں کا مجموعہ) قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے عوام میں استاد کی شہرت کو چار چاند لگائے۔ تراجم میں 'تاریخ ترکیہ'، 'تاریخ ادبیاتِ روسیہ'، 'آرزو ہائے بر باد رفتہ' اور 'زندگی و کار ہنر' ایسی کتابیں ہیں جن میں انھوں نے ترجمے کو ایک فن بنا کر دکھایا ہے۔

شاعری

شاعر کی حیثیت سے استاد نفیسی کا کوئی مقام معین نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ شعر گوئی کو انھوں نے کبھی اپنا مقصود ہی نہیں بنایا اور نہ وہ چاہتے تھے کہ انھیں کوئی شاعر کی حیثیت سے جانے۔ زندگی بھر جو کچھ کہا وہ تفننِ طبع ہی کے طور پر کہا۔ ان کی بنیادی حیثیت ایک استاد اور محقق کی تھی اور آج دنیا میں وہ اسی حیثیت سے مشہور بھی ہیں۔ استاد کا عقیدہ تھا کہ بیسویں صدی شعر کا زمانہ نہیں اسی لیے موجودہ دور میں ایران فردوسی، سعدی، رومی، حافظ ایسا بڑا شاعر پیدا نہیں کر سکتا۔

اور واقعی اس دور میں ہمیں ایران میں کوئی ایسا بڑا شاعر نظر نہیں آتا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ یہ تحقیق و تدقیق، تدوین و ترتیب اور نثر نگاری کا دور ہے۔ چنانچہ آج کا ایران اس میدان میں جس قدر آگے بڑھا ہے وہ خود اس بات کا بیّن ثبوت ہے۔

جیسا کہ اوپر اشارہ ہو چکا چونکہ دور حاضرہ کے سبھی ایرانی شعراء سبک ہندی کی پیچیدگیوں اور سبک عراقی کی صنعت بازی کو پسند نہیں کرتے بلکہ بیزار سے نظر آتے ہیں لہذا استاد نفیسی نے بھی اکادکا نظموں کے علاوہ جو کچھ کہا سبک خراسانی میں کہا ہے۔ اشعار میں وہی سادگی و سلاست ہے جو سبک خراسانی کی بنیادی صفت ہے۔ ان کے ہاں ہمیں تقریباً سبھی اصناف سخن مثلاً قصیدہ غزل و رباعی و قطعہ و مثنوی وغیرہ ملتے ہیں اور پڑھنے والے کو ان میں ایک پختگی فکر کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ یوں استاد نفیسی نے اپنے اشعار میں بعض دروس و پیغامات بھی دیے ہیں۔ مثلاً ان کی نظم "کہن جامہ" سے ہمیں وفا اور خوشامد سے گریز کا سبق ملتا ہے۔

نہ ترا گفتم رو دست فلان شاہ ببوس
نہ ترا گفتم رو مدحت شہ را بطراز

زندگی کے بعض حقائق کو بھی آسان و سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جس دل میں غم نہیں وہ تو گویا فرسودہ ہے:

دل نخواہم کز غمی باشد تہی
کین چنین دل جز دل فرسودہ نیست

ان کی نظم "بلای دل" میں اس قسم کے اور بھی بہت سے حقائق و نصائح موجود ہیں۔ اسی طرح ان کی نظمیں "بنسل آئندہ" و "دختران امروز مادران فردا" اور "سخن سرایان جوان" پند و موعظت کے بیش بہا موتیوں سے پُر ہیں۔

لطف بیان کے طور پر آخر میں ہم ان کی دو ایک غزلیں نقل کرتے ہیں:

آنچہ بر من از جفای گنبد مینا گذشت — کافرم گر ہیچ گہ بر مردم دانا گذشت
آنچہ از شادی بما گذشت بعد از سالہا — بود چون اندیشہ ای کز ذہن نابینا گذشت
جان فدای ہمت آن یادگر آغاز کار — گر گذشت از نیک و بد مردانہ بی پروا گذشت

دلبری داریم و جانی در رهش کرده فدا
کس نمی داند که در عشقش چها بر ما گذشت

سینهٔ خود را سپر کرده ایم در بزم حریف
خود و سنگ آسمان بر ما و از ما گذشت

ای که بر خاک کسان غافل روی آهسته ران
بس سوار تیز رو همچون تو زین صحرا گذشت

نیست جز یک جلوه این افسانهٔ دور و دراز
کاروانی روزی آمد نیمه شب زین جا گذشت

کیست خضر ره نفیسی آنکه چون مجبور بود
ماند در دنیا اگر یک لحظه از دنیا گذشت

رفت فرهاد و از او قصهٔ شیرینی ماند
وز جوانمردی او تا ابد آیینی ماند

دوش رفت از برم آن دلبر و در خانهٔ من
بوی جان پروری از طرهٔ مشکینی ماند

ذوق دیدار دمی بود و زان تا دم مرگ
بار رنجیست که بر خاطر غمگینی ماند

نام آن خواجه بزشتی و برسوائی رفت
نام نیکوئی اگر ماند ز مسکینی ماند

ای خوش آن پادشه کشور معنی که از او
از همه مال جهان خرقهٔ پشمینی ماند

دین پاکی که پی خدمت خلق آمده بود
شد فراموش و ازان زاهد خودبینی ماند

ای که از عشق نفیسی خبری می شنوی
از جهان رفت و از او شهرت دیرینی ماند

آهنگ کعبه چون کنی ای مبتلای خویش
زین ره کجا روی که تو ئی هم خدای خویش

چون من مباش و دل بره دیگران منه
من هم بلای دیگری ام هم بلای خویش

گر دست حاجتی نبری سوی هیچ کس
هم پادشاه خویشتنی هم گدای خویش

چون من کسی مباد گرفتار این دو آن
هم مبتلای غیرم و هم مبتلای خویش

راهیست بس دراز پس از مرگ و پای لنگ
این راه را چگونه روم من بپای خویش

راهیست بس دراز نفیسی بسوی حق
گر مرد این رهی تو بشتو رهنمای خویش

محرومی توام واز دو جہان بی خبرم — تا بدانند کہ صاحبدل و صاحب نظرم
بر فلک سیر کنم با پر اندیشۂ خویش — گر در دست تو چون مرغک بی بال و پرم
سرزمینی کہ نشد سودہ بزیر قدمت — گر بہشت است ہمہ از سر آن میگذرم
ایکہ دل نیست ترا در گرو یار و دیار — تو چہ دانی کہ چرا من بقفا می نگرم
فخرم این بس کہ ہزاران ہنرم ہست ولیک — بندۂ طبع و دل مردم صاحب ہنرم

جز سخن ہیچ نفیسی چو نخواہد ماندن
کس نداند کہ چرا در غم این پا و سرم

در این باغ را ای باغبان بر روی ما بگشا
اگر از بہر ما نگشائی از بہر خدا بگشا
دل از جور تو بتنگ آمد بہل این شیوہ ای دلبر
در دیگر ز راہ یاری و مہر و وفا بگشا
خطا گفتم کہ خود دانم ترا مہر و وفا نبود
مدارم بی نصیب از خود در جور و جفا بگشا

سرگزشت غزالی

(مولانا محمد حنیف ندوی)

امام غزالی کی "المنقذ" کا سلیس ترجمہ اور ان کے فلسفہ پر نظر کشا بحث۔

صفحات ۲۰۰ ۳ روپے

ملنے کا پتہ

سیکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور